اِسلام میں اختلاف کے آداب

قرونِ خیر کے بعد اختلاف (۲)

ترجمہ وتلخیص جناب عبدالحی ابڑو صاحب - اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد

تقلید اور اس کے نتائج اجتہاد کے متعلق جو نئی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی اس کا مختصر سا تذکرہ ہم پچھلے مباحث میں کر چکے ہیں - یہی وہ صورتِ حال تھی جس کے پیش نظر حکمائے اُمت کو خطرہ ہوا کہ اس دروازے سے کہیں ایسے لوگ بھی اس میدان میں داخل نہ ہو جائیں جو اس کی اہلیت سے بہرہ ور نہ ہوں - کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ فتویٰ کا کام اب ایسے لوگ بھی انجام دینے لگے تھے جو نہ صرف یہ کہ امراء و سلاطین کے پروردہ تھے، بلکہ نفسانی خواہشات کے زیرِ اثر نصوص و احکام کی گردنیں مروڑنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے - دوسری طرف علماء میں بھی دو طرح کے طبقے پیدا ہو گئے تھے - ایک طبقہ نے شدت اور سختی کی راہ اختیار کر لی تھی - اور دوسرے طبقہ نے رخصت و تخفیف کی راہیں نکال لی تھیں - یہ وہ عوامل تھے جنہوں نے اُمت کے بہی خواہوں کو ان خطرات کا احساس دلایا جو اسلام اور مسلمانوں کے انجام کے بارے میں واضح طور پر اُبھر کر سامنے آ چکے تھے - حالات کا بغور جائزہ لینا اور خطرات کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ اُمت کو تقلید کا پابند بنا کر اس پر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے - مگر یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ ایک خرابی سے بچنے اور بحران سے نکلنے کے لیے اُمت کو تقلید کے قعرِ مذلت میں دھکیلنا ہی بہترین علاج تصور

کیا گیا۔

فقہاء کی باہمی لایعنی مناظرہ بازیوں، مباحثوں، ایک دوسرے کی مسلسل مخالفت اور ٹکراؤ کی صورتوں سے چھٹکارے کا انہیں یہی راستہ نظر آیا کہ اختلافی مسائل میں لوگوں کو متقدمین کے اقوال و آراء کی طرف رجوع کا پابند بنایا جائے۔ اسی طرح سلاطین کے تقرب، طلب دنیا میں انہماک اور اپنے فیصلوں میں راہ راست سے انحراف کی وجہ سے قاضیوں پر سے بھی لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا تھا، لہٰذا جب تک ان کا فیصلہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے قول کے مطابق نہ ہوتا، اسے قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جاتا تھا۔

خدا کے خوف سے عاری شرعی علوم کے وہ حاملین جو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے اجتہاد کو ایک ذریعہ سمجھتے تھے اس سے بچنے کی خاطر عام مسلمانوں کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید، ان کے اقوال کی پابندی اور ان کے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں مسائل کا استنباط ہی واحد محفوظ طریقہ رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ امام الحرمین (متوفی ۴۷۸ھ) کے نزدیک محققین کا مشہور صحابہ کرام کی تقلید سے ممانعت پر اجماع ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب ان ائمہ کے مسالک کی اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جنہوں نے تحقیق و جستجو اور غور و فکر سے کام کر ابواب قائم کیے، مسائل کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے متقدمین کے اقوال و آراء کو پرکھنے کے بعد انہیں اپنے لیے مشعلِ راہ بنا کر تمام قواعد و ضوابط مرتب کیے۔ اس سے امام الحرمین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عام آدمی ائمہ مجتہدین کے مکاتب فکر کی اتباع کا پابند ہے۔[۱]

امام الحرمین کے اس قول اور اجماع کے متعلق ان کے دعوے پر انحصار کرتے ہوئے مشہور محدث و فقیہ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۲ھ) نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو واجب قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان ائمہ اربعہ کے مسالک منضبط اور مدوّن شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کے تمام اصول و شرائط بھی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ جب کہ یہ بات صحابہ و تابعین کے مسالک میں نہیں پائی جاتی۔ بعد میں آنے والے علماء و مصنفین ان کی یہ بات

---

[۱] البرہان (۲/۱۱۲۶، فقرہ ۱۱۷۳) اور التقریر و التحبیر (۳/۳۵۳)

اب تک نقل کرتے آرہے ہیں [1]

یہیں سے کتاب و سنت کے علوم و فنون سے لوگوں کی غفلت و بے اعتنائی کا آغاز ہوا۔ اب لوگ صرف اقوال و مسالک کو بیان کرنے، ان کے اصول و ضوابط مرتب کرنے، ان کا دفاع کرنے، ان سے مزید جزئیات نکالنے اور استنباط کرنے پر اکتفا کرنے لگے۔

زوال و انحطاط کا یہ عمل جاری رہا۔ اختلافات میں شدت آتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ تقلیدِ خالص پر صدیاں گزر گئیں۔ اس سے فکری تحریک رُک گئی۔ اجتہاد کا چشمہ خشک ہوگیا۔ فتنوں اور جہالت کا دور دورہ ہوگیا۔ لوگوں کی نظر میں فقیہ اور عالم وہ قرار پایا جس نے فقہائے سابقین کے اقوال و آراء کو قوی اور ضعیف کی تمیز کیے بغیر حفظ کر رکھا ہو۔ اور محدث وہ ٹھہرا جسے چند صحیح اور ضعیف احادیث یاد ہوں۔

معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ حالات اس سے کہیں بڑھ کر روبہ انحطاط ہونے لگے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلم معاشرے سے آفتابِ علم ہی غروب ہوگیا تھا۔ سوچ و فکر کی صلاحیتیں بے نتیجہ ہو کر رہ گئی تھیں، بدعتوں کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ اور انحراف و بے راہ روی کے وسائل نے خوب رواج پالیا تھا۔ خرافات کی مختلف شکلیں مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں جس نے دشمن حملہ آوروں کے لیے اس بات کی راہ ہموار کی کہ وہ اسلامی علاقہ جات اور شہروں پر قبضہ جما کر اسلامی تہذیب و تمدن کا ہی صفایا کر دیں۔

ماضیِ قریب کے مسلمانوں کا طرزِ فکر و عمل | فکری جمود و تقلید کی گود میں محوِ آرام مسلمان ماضی کے سنہرے خوابوں کا جال ہی بُنتے رہے اور دینی اور سیاسی قیادت کی راہیں الگ ہو جانے کی وجہ سے وہ حیران و پریشان مختلف راہوں پر بھٹکتے رہے۔ جب کہ اہلِ علم ان سے غافل ہو کر اپنی دُنیا میں مگن ہو گئے اور اپنے تئیں یہ سمجھتے رہے کہ انھی کی رائے ہی سب سے بہتر اور درست ہے۔ جو شخص بھی اس اُمت کے روشن ورثے سے واقفیت رکھتا ہو، اس کے لیے یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جمود و تعطّل کے شکار یہ پس ماندگان انھی اسلاف کے وارث

---

[1] التقریر والتعبیر (۳/ ۳۵۳)

ہیں جو متحرک اور روشن و تابندہ زندگی کے مالک تھے۔

اقوامِ یورپ نے جب خوابیدگی کا لبادہ اُتار دیا اور ترقی کی راہ میں نئی کروٹ لی اور استعماری پالیسی اپنائی تو مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر انھوں نے سمجھ لیا کہ جس قوم سے ان کا مقابلہ ہے اس کی حقیقی بنیادیں اب متزلزل ہو چکی ہیں۔ اعتقاد و ایمان کی چنگاری بجھ رہی ہے۔ یقین و اذعان کی پرانی کیفیت باقی نہیں رہی۔ اخلاق و کردار میں کجی راہ پا چکی ہے۔ استقامت و پامردی معدوم ہے، فکر و اجتہاد اور تفقہ و بصیرت کا فقدان ہے، بدعات کا دور دورہ ہے، سنت سے لوگ غافل ہیں اور شعور و بیداری کا کہیں دُور دُور تک کوئی نام و نشان نہیں۔ گویا یہ اُمت وہ اُمت ہی نہیں رہی جس کی شان و شوکت سے وہ اب تک مرعوب چلے آرہے تھے۔ تو انھوں نے یہ موقع غنیمت جانا، اور مسلم ممالک پر قبضہ جما کر زمامِ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور اس اُمت کے تشخص کی بنیادوں میں سے جو تھوڑا بہت باقی بچ گیا تھا اُسے بھی نیست و نابود کر ڈالا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ذلت و خواری کی جو کیفیت بنی وہ ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے اُوپر حکومتوں کی باگ دوڑ ہمارے دشمنوں کے ہاتھ میں ہے، وہی ہمارے مقدر کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں اور ہم اپنے ہی ہاتھوں سے پیدا کردہ مشکلات و مسائل کا حل ان کے پاس ڈھونڈتے ہیں۔

اس عرصے میں بچے کھچے شعور کی بدولت مسلمانوں میں اپنے زوال سے نجات پانے اور لغزش سے بچنے کی چند کوششیں ضرور ہوئیں لیکن ان کی ہر کوشش سخت ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اس لیے کہ انھوں نے کامیابی کی مطلوبہ شرائط پوری نہیں کیں۔ یہ کوششیں چونکہ غیروں کی تقلید اور فاتح اقوام کی اندھی پیروی ہی کے نتیجہ میں وجود میں آئی تھیں۔ اس لیے حالات سازگار ہونے کے بجائے مزید ابتر ہو گئے۔ البتہ یہ بات خوش آئند ہے کہ اب مسلمانوں کی نئی نسل اس مرض کے لیے مرہم شافی اور صحیح حل کی تلاش کے لیے کوشاں ہے۔ چنانچہ فرزندانِ اُمت کے چند معتدبہ گروہوں کو اس بات کا شعور آگیا ہے کہ "ان اخر ھٰذہ الامۃ لن یصلح الا بما صلح بہ اولھا" (اس اُمت کے پچھلے افراد کی اصلاح بھی اسی سرچشمہ ہدایت ہی سے ممکن ہے کہ جس سے اس کے اوّلین افراد کو ہدایت نصیب ہوئی تھی) اس لیے

انہوں نے اگلوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسلام کے چشمۂ شیریں سے سیراب ہونا شروع کیا ہے۔ اَلحمدللہ اس بیداری کا آغاز ہو چکا ہے جسے اسلامی بیداری (یا اسلام کی نشأۃ ثانیہ) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

دشمنانِ دین مختلف مذاہب و افکار رکھنے کے باوجود اس دعوتِ مبارکہ کے لیے میدان کیونکر خالی چھوڑ سکتے تھے۔ ہمارے ساتھ جنگ کے لیے ان کے پاس اسلحہ کی بے شمار قسمیں ہیں۔ ہمارے کچھ بھائی بند بھی ان کا ایک ہتھیار ہیں، جو ان دشمنوں کے ہاتھوں آلۂ تخریب بننے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اِس بات کا ثبوت وہ بہت سے ادارے ہیں جن کا کام صرف اور صرف دیندار طبقوں کے خلاف سازشوں کے جال بچھانا ہے، وہ اسلامی نشأۃ ثانیہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کرتے اور اسے خطرناک چیلنجوں سے دوچار کرتے ہیں۔ دوسرے چیلنج اور رکاوٹیں ہی داعیانِ حق کی کوششوں کی بربادی کے لیے کافی تھیں کہ پھر اس بیداری کو "اختلاف" کے ہولناک چیلنج کا سامنا کرنا پڑا جس کی چٹان سے ٹکرا کر ان کی ساری کوششیں پاش پاش ہو گئیں۔ چنانچہ ہمیں نظر آتا ہے کہ مسلم نوجوان مختلف جماعتوں اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو سلفی کہتا ہے تو کوئی اپنے آپ کو اہلِ حدیث۔ کچھ اپنے آپ کو مذہبیت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کچھ مذاہب و مکاتبِ فکر سے الگ تھلگ رہنے کے دعویدار ہیں۔ پھر ایک دوسرے پر کفر و فسق، بدعت و انحراف، جاسوس اور کسی کا ایجنٹ وغیرہ ہونے کے ایسے الزامات عاید کرتے رہتے رہتے ہیں جو کسی مسلمان کو اپنے دوسرے بھائی پر ہرگز چسپاں نہیں کرنے چاہییں۔ چہ جائیکہ ان کی تشہیر کے لیے ہر ممکن وسائل کو بروئے کار لایا جائے اور اس طرح جان بوجھ کر یا لاعلمی میں کسی کو اس کی پروا نہیں رہی کہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے دوسرے حلقوں کی طرف سے جو کوششیں ہو رہی ہیں، ان کا مقابلہ کرنے کے لیے معمولی اختلافات کہیں زیادہ خطرناک نہ ثابت ہوں۔

ائمہ مجتہدین کے اختلاف کا جواز موجود تھا۔ مناسب اسباب کی وجہ سے ان کا اختلاف چند آداب و قواعد کا بھی پابند تھا، لیکن معاصرین کے اختلاف میں کوئی ایک بھی معقول وجہ

نہیں جو اُن حضرات کے ہاں پائی جاتی تھی - کیونکہ یہ اجتہاد کی صلاحیت سے بے بہرہ اور نرے مقلد ہیں - ان میں وہ بھی شامل ہیں جو تقلید سے برأت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ ہم تقلید کیے بغیر کتاب و سنّت سے براہ راست احکام اخذ کرتے ہیں - حالانکہ ان کا انحصار حدیث کی چند کتابوں پر ہوتا ہے - اور حدیث کی سند اور متن کے بارے میں وہ ان کتابوں کے مؤلفین کی پوری پوری تقلید کرتے ہیں - اور ان کتابوں میں استنباط کردہ مسائل اور فقہاء کے نقل کردہ اقوال میں ان کی پیروی کرتے ہیں - ان میں سے بہت سے حضرات اپنے آپ کو رجالِ حدیث، مراتب جرح و تعدیل اور تاریخ رجال کا عالم سمجھتے ہیں جب کہ اس بارے میں ان کا مبلغ علم یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر اس کے کسی ماہر کی زیادہ سے زیادہ ایک کتاب کا مطالعہ کیا ہوتا ہے - جس کی بنیاد پر وہ اپنے لیے منبرِ اجتہاد پر فائز ہونے کو جائز سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے اُونچا سمجھ بیٹھتے ہیں - حالانکہ جس شخص کے پاس تھوڑا سا علم بھی ہو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو جاہلوں کی روش سے دُور رکھے، لوگوں پر الزام تراشی اور القاب بانٹنے سے باز رہے - اُمت کے عقائد کو درپیش چیلنجوں کی خطرناکی کو محسوس کر کے ان کا دفاع کرے - اور لوگوں کے اندر اتحاد و اتفاق کی رُوح بیدار کرنے کے لیے تگ و دَو کرے - اور نہیں تو کم از کم آدابِ تقلید کا ہی خیال کرتے ہوئے وہ تمام لوگ جو تقلید کرتے ہیں اور مختلف ائمہ کے اقوال پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں - اور ایسا کون ہے جو آج کسی نہ کسی صورت میں کسی کا مقلد نہ ہو (اگرچہ کچھ لوگوں کا دعویٰ کچھ اور ہے) انہیں کم از کم ان اُصول و آداب کی پابندی کرنی چاہیے جن کے گوشۂ عافیت میں ائمہ کرام نے اپنی زندگیاں بسر کیں -

دینی درد رکھنے والے مسلمانوں کو اس بیداری سے یہ اُمید ہو چلی تھی کہ کفر و الحاد کے حامل نظریات اور باطل عقائد نے جو خلیج اُمتِ مُسلمہ کے وجود میں پیدا کر دی ہے اور جس نے اُمت کے ایک بڑے گروہ کے دلوں اور سوچ و فکر کی صلاحیتوں کو غلط راہ پر ڈال رکھا ہے - اسے پاٹنے کی کوئی راہ ضرور نکل آئے گی - آثار ایسے نظر آرہے تھے کہ قلوب ضلالت و گمراہی سے نجات پا کر صحیح اسلامی عقائد سے روشن و پُر نُور ہو جائیں گے - جس کے بعد اس وسیع دُنیا

کو خدائی پیغام سے روشناس کرایا جاسکے گا اور زمین کے گوشے گوشے میں کلمۂ حق سربلند ہوگا۔
لیکن یہ دیکھ کر دل تڑپ اٹھتا ہے کہ بعض مسلمان ہی اس بیداری کے بال و پر نوچ رہے ہیں اور اسے بے لگام اختلاف کی بیڑیاں پہنا رہے ہیں۔ چند ایک ایسے مسائل کو چھوڑ کر جو بجا طور پر سبب اختلاف بن سکتے ہیں زیادہ تر مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش بہت ہی محدود ہے۔ لیکن پھر بھی بہت سے مسلمان اس میں اُلجھے ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے اپنی طاقت و قوت کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ اس اختلاف نے ان کی آنکھوں پر تعصب کی وہ پٹی باندھ دی ہے جس سے ان میں معمولی اور اہم، اور چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ جس قوم کا یہ حال ہو چکا ہو اُس سے یہ اُمید کیوں کر کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے مسائل میں ترجیحات کا تعین کرتے ہوئے ان کے حل کی کوششوں کو مربوط و منظم کر سکے گی تاکہ اسلامی نشأۃ ثانیہ کے آغاز کو مضبوط بنیادیں فراہم ہوسکیں۔

مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف کو بھڑکانا، انھیں ہوا دینا یا ان کے اسباب مہیا کرنا اسلامی اہداف کے ساتھ بہت بڑی خیانت، موجودہ اسلامی بیداری کی راہ میں بڑی رکاوٹ اور داعیانِ حق کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے مترادف ہے، جسے اللہ تعالیٰ کبھی پسند نہیں کرتا۔ اس لیے ایمان کے بعد عام مسلمانوں کا عموماً اور داعیوں کا خصوصاً سب سے بڑا اہم فریضہ یہ ہے کہ تمام اسلامی گروہوں اور دعوتِ اسلامی کا کام سرانجام دینے والے افراد کو متحد کرنے کا کام سرانجام دیں اور ان کے باہمی اختلافات کو ختم کرائیں۔ اگر کہیں اختلاف ناگزیر ہو تو بھی اس کا دائرہ بہت محدود رکھنے کی کوشش کریں اور سلف صالحین کے آداب کا ہر طرح خیال رکھیں۔ نیت اگر سچی ہو تو اختلاف رائے کے باوجود اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لیے دل باہم مل سکتے ہیں، خدا کی مکمل تائید و نصرت اور توفیق بھی تبھی حاصل ہو سکے گی۔